سید سلیمان ندوی کی سوانح نگاری

(حیات امام مالکؒ اور سیرت عائشہؓ) کا مطالعہ

*فریدہ کاکڑ
**عبدالعلی اچکزئی

ABSTRACT

MaulanaSayedSulaimanNadvi was eminent scholars, writer, historian, researcher, speaker, biographer, critic and educator of Urdu literature. He was well versed in religion and politics. He played an important role in the field of knowledge and balled. He have written several biographies and different books. He wrote biographies like "Hayat Imam Malik","Seerat Aisha"," Hayat Shibli"and" Khayam" etc. But in this article the author evaluate the two books "Hayat Imam Malik" and "Seerat Aisha". And describe that what are the reasons of these books writing, writing method, art of biography and features?

Keywords: SayedSulaimanNadvi, biographer, historian, literature.

مولانا سید سلیمان ندوی اردو ادب کے نامور سیرت نگار، عالم مؤرخ، محقق، متکلم، سوانح نگار، نقاد اور ماہر تعلیم تھے۔ ان کی تحقیقات کو اعتبار و اسناد کا درجہ حاصل ہے۔ آپ جیسی جامع شخصیت کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہے یہ سبھی جانتے ہیں کہ علمائے ندوہ میں سید سلیمان ندوی کا وہی درجہ ہے، جو علماء دیوبند میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ہے۔

پیدائش:

علامہ سید سلیمان ندوی کی ولادت بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء مطابق ۲۲ صفر ۱۳۰۲ھ میں دیسنہ، ضلع پٹنہ، بہار میں ہوئی۔ سید صاحب اس گاؤں کے اس خاندان کے لعل بے بہا تھے، جو دینی علوم کے ساتھ دینداری اور تقویٰ میں مدتوں سے ممتاز چلا آتا تھا۔[1] مولانا کا اصل نام دادا نے انیس الحسن رکھا اور کنیت ابو نجیب رکھی۔ بعد میں دنیا نے بھی دیکھا کہ حسنی صلیح جوئی، ان کا نمایاں خلق تھا۔ اور سلیمان نام اس طرح پڑا کہ بچپن میں ایک رنگونی تاجر سلیمان ناخدا کا ایک جہاز بیرونی سامان تجارت سے لدا ہوا خلیج بنگال میں داخل ہوا اور اس کی آمد سے مشرقی

*لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ سردار بہادر خان ویمنز یونیورسٹی بلوچستان' کوئٹہ
برقی پتا: Faridarasheed343@gmail.com
**ڈین آف سوشل سائنسز یونیورسٹی آف بلوچستان' کوئٹہ
تاریخ موصولہ: ۹/۲/۲۰۱۷ء

ہندوستان میں ایک دھوم مچ گئی، گھر گھر ہر ایک کی زبان پر سلیمان کا نام آنے لگا۔ حکیم محمدیؒ (سید صاحب کے دادا) کے گھر میں بھی اس کا چرچا ہوا، گھر والوں نے محبت سے ابو نجیب کو پکارا کہ ہمارا سلیمان تو یہ ہے اور ایک دن اس کا شہرہ بھی گھر گھر ہو جائے گا۔ پھر جب سلیمان شعور کو پہنچے تو انہوں نے اپنا نام سید سلیمان لکھا۔[۲]

حالات زندگی:

سید سلیمان ندوی نے ابتدائی تعلیم پہلے اپنے گاؤں کے ایک معلم خلیفہ انور علی اور پھر مولوی مقصود علی اکھدوی سے پائی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں ختم کرنے کے بعد عربی میں میزان ومنشعب اپنے بڑے بھائی مولوی ابو حبیب صاحب سے پڑھی۔ بڑے بھائی سے تعلیم پانے کے بعد مزید تعلیم کے لیے اپنے والد بزرگوار کے پاس اسلام پور گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف پٹنی آئے، یہاں ایک سال خانقاہ مجیبی میں رہ کر مولانا محی الدین (سجادہ نشین خانقاہ پھلواری شریف) سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھلواری سے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھیج دیئے گئے۔[۳]

۱۹۰۱ء میں سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخل ہوئے اور (۱۹۰۷ء تک) سات سال وہاں کے مختلف اساتذہ سے مصروف استفادہ رہے اور سند فراغ حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں جب مولانا شبلی نعمانی ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیم مقرر کیے گئے اور وہاں آکر انہوں نے طلباء کی قابلیت اور علمی صلاحیتوں کا جائزہ لیا تو نوجوان سید سلیمان کو ایک جوہر قابل گردانا اور ان کی علمی تربیت کرنا شروع کی۔ عربی ادبیات میں بالخصوص ان کی رہنمائی کی اور وہ ان کی توقعات پر پورا اترے اور عربی میں اس درجہ مہارت پیدا ہوئی کہ خود عرب ان کی گفتگو سن کر حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔ علاوہ ازیں تفسیر حدیث، تاریخ، رجال، منطق و فلسفہ، صرف و نحو غرض تمام علوم کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا اور وہ ان میں ماہر ہوئے۔ علوم میں اس مہارت وعبور کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۷ء میں انہیں دارالعلوم کے رسالے "الندوہ" کے سب ایڈیٹر بنا دیا گیا، جس کے چیف ایڈیٹر خود مولانا شبلی نعمانی تھے۔ ۱۹۱۱ء تک وہ اس منصب سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۸ء میں اسی دارالعلوم میں عربی اور فارسی کے استاذ مقرر ہوئے۔[۴]

۱۹۱۲ء میں مولانا شبلی کے صحبت یافتہ مولانا آزاد نے الہلال نکالا تو مئی ۱۹۱۳ء میں سید صاحب کو اس کے اسٹاف میں شامل کیا۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء مولانا شبلی نعمانی کی زندگی کی آخری تاریخ تھی۔[۵] اس سے قبل وہ سیرۃ النبی ﷺ کی دو جلدیں مکمل کر چکے تھے اور ان کے دل میں یہ شدید خواہش تھی کہ باقی جلدیں کسی نہ کسی طرح تکمیل کی منزل کو پہنچیں۔ بستر مرگ پر پڑے ہو کر مولانا نے سید سلیمان ندوی کو اس کی تکمیل کی تاکید کی۔ سعادت مند شاگرد نے استاد کے آخری ارشاد پر عمل کرنے کا تہہ کر لیا اور اعظم گڑھ کو علمی مرکز قرار دے کر پونہ کے دکن کالج کی

پروفیسری چھوڑ دی اور ۱۹۱۵ء میں یہاں آ گئے اور دار المصنفین کے نام سے تصنیفی ادارہ قائم کیا۔ جولائی ۱۹۱۶ء کے رمضان المبارک کے مہینے میں سید صاحب نے معارف کا پہلا رسالہ نکالا۔ اسی رمضان المبارک کی برکت سے آج تک یہ رسالہ علمی حلقوں کو فیض پہنچا رہا ہے۔ دار المصنفین کے آغاز قیام سے لے کر اس کو بام عروج پر پہنچانے میں سید صاحب کی کوششوں کو بڑا دخل ہے، ان کے حسن نیت کی وجہ سے ان کے استاد مولانا شبلیکی یادگار دار المصنفین کا علمی وقار پورے ملک میں قائم ہو گیا، اسید وران انہوں نے دار المصنفین کے رفقاء اور دوسرے ملازمین کی تربیت پر خصوصی توجہ دی اور اس کے مربیوں اور ہمدردوں کا حلقہ بھی بناتے رہے۔

۱۹۱۷ء میں علمائے بنگالہ کلکتہ کے اجلاس کی صدارت کی، اسی سال اہل سنت والجماعت نامی مقالہ پہلے معارف اور بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا ترجمہ ملیالم، تیلگو اور بنگلہ زبان میں ہوا، اسی سال حیات امام مالک شائع ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں دار المصنفین سے سیرۃ النبی ﷺ جلد اول اور تاریخ ارض القرآن حصہ دوم شائع ہوئی۔

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت سے نہ صرف وابستہ ہوئے بلکہ اس کے لکھنو کے اجلاس میں صدارت کی، اس تحریک کے روح رواں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر تھے، ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے ممبر ان کے ساتھ یورپ کا سفر کیا، سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم لندن جانے سے قبل اشاعت کے لیے دے دیتھی اور لندن سے اس کا دیباچہ بھی لکھ کر بھیج دیا، لندن ہی میں تھے کہ ان کی کتاب سیرت عائشہؓ چھپ کر آ گئی، اسی سال تحریک خلافت کے لندن کے دورے سے واپسی پر ہندوستان میں ترک موالات کی تحریک زوروں پر تھی۔ سید صاحب نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔[۲]

۱۹۲۳ء میں صوبہ بہار کی خلافت کانفرنس کی صدارت کی، ۱۹۲۴ء میں سیرۃ النبی ﷺ جلد سوم چھپ کر آئی، وفد حجاز کی قیادت ۱۹۲۴ء میں کی۔ ۱۹۲۵ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بڑے اہتمام سے کرایا اور ایک زمانہ تک اس کے معتمد تعلیم کی حیثیت سے کام انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۵ء میں خطبات مدراس منظر عام پر آئی، ۱۹۲۶ء میں جمعیتہ العلماء کے کلکتہ اجلاس کی صدارت اور وفد حجاز کی دوبارہ قیادت کی، وفد سے واپسی پر مار کو لیتھ کے رد میں معارف میں مضامین لکھے اور واقدی کی بے اعتباری بڑے مدلل انداز میں ثابت کی۔ ۱۹۲۷ء حمایت اسلام لاہور کی دعوت پر عہد رسالت میں اشاعت اسلام کے عنوان سے تقریر کی، اسی سال مجلس علماء کی صدارت کے لئے ترچنا تشریف لے گئے اور جنوبی ہند کے علاقوں کا سفر کیا۔ ۱۹۲۸ء میں سیرۃ النبیؐ جلد چہارم کی تدوین میں مشغول ہوئے۔ دار المصنفین کی

کتابوں کی روز افزوں شہرت کے سبب ترکی میں الفاروق، سیرۃ النبیؐ اول، دوم، سوم، سیرت عائشہؓ اور سیر صحابہ کی بعض جلدوں کے ترکی زبان میں ترجمے ہوئے، اس کی علمی شہرت سے متاثر ہو کر ہندوستان کے چوٹی کے سیاسی لیڈران اس ادارہ کے ساتھ خود کو وابستہ کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ مسلم لیڈروں کے علاوہ گاندھی جی، مالویہ جی، سروجنی نائڈو، پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ آکر یہاں کے لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے، ۱۹۲۹ء میں عرب ہند کے تعلقات پر ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے لئے مقالہ لکھا جو بعد میں اسی اکیڈمی سے شائع ہوا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ بھیہوا، ۱۹۳۱ء میں عربوں کی جہاز رانی پر بمبئی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم کی سرپرستی میں چار خطبے پیش کیے، بعد میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوئے اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں سیرۃ النبی ﷺ کی چوتھی جلد شائع ہوئی، ۱۹۳۳ء میں انجمن اردوئے معلیٰ علی گڑھ کی دعوت پر ہندوستان میں ہندوستانی کے نام سے تقریر کی۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۷ء تک علی گڑھ کورٹ کے ممبر رہے۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے توسیعی لیکچرز کی صدارت کی، اسی سال بہار واڑیسہ کے وزیر تعلیم سید عبدالعزیز کی دعوت پر عربی مدارس کے ترتیب نصاب کے سلسلہ میں رانچی تشریف لے گئے۔ تاریخ ہند مرتب کرنے کی ایک اسکیم بنائی اور دسمبر ۱۹۳۴ء کے معارف میں اس کی اشاعت کی۔ ۱۹۳۵ء میں بیماری سے صحت کے لیے چھ مہینے دہرادون میں قیام کیا، ۱۹۳۶ء کی آل انڈیا فلسطین کانفرنس کی صدارت مفتی کفایت اللہ کے اصرار پر کی، مجلس اعلیٰ فلسطین کے صدر مفتی سید امین الحسینی نے تار بھیج کر ان کا شکریہ ادا کیا، ۱۹۳۷ء میں ہندوستانی اکیڈمی کے جلسہ اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی طلائی جوہری کی صدارت کی۔

۱۹۴۰ء میں متعدد علمی وادبی سفر مثلاً دکن، سرحد اور پنجاب وغیرہ کا کیا، اسی سال مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے اور حیات شبلی کا کام شروع کیا۔ اسلام کے سیاسی واقتصادی نظام کی ترتیب کے لیے ایک مجلس ۱۹۴۱ء میں نواب چھتاری نے قائم کی تو سید صاحب اس کے رکن بنائے گئے۔ ۱۹۴۲ء تک مولانا شبلی کے مقالات، خطبات اور مکتوبات جمع کر کے شائع کرتے رہے، کثرت کار کے سبب صحت خراب رہنے لگی، تو استاد کی سوانح عمری ترتیب دینے کا خیال غالب آتا گیا اور تین برس تک مسلسل محنت کے بعد ۱۹۴۳ء میں حیات شبلی لکھ کر اہل علم کے سامنے پیش کی۔ ۱۹۴۴ء میں انڈین ہسٹاریکل کانگریس کی صدارت اور وارد ھا، راندیر اور سورت کا سفر کیا اور اس سفر میں درس قرآن اور قومی زبان کے مسئلہ پر مدلل تقریریں کرتے رہے۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں یہ خالص علمی اور مذہبی سفر ختم ہوا لیکن صحت گرتی گئی، اعظم گڑھ واپس آئے تو ریاحی درد کا سخت دورہ پڑا۔ ۱۹۴۷ء میں انقلاب کے بعد ریاست کے لیل و

نہار بدل گئے۔ معارف کے لیے مستقل مضمون نہ لکھ سکے البتہ وفیات اور دیگر تحریروں میں یادرفتگان کے چراغ روشن کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء تک بھوپال میں قیام رہا۔[۷]

۱۹۴۹ء میں اپنی اہلیہ اور فرزند ارجمند سلیمان سلمہ کے ساتھ حج پر گئے حج سے واپسی پر سخت علیل ہوئے، اسی دوران لکھنؤ، بھوپال اور اعظم گڑھ آنا جانا رہا۔ ۱۹۵۰[۸]ء میں کراچی ہجرت کر گئے لیکن اپنی ساری املاک ہندوستان میں چھوڑ گئے، سید صاحب پاکسان پہنچے تو وہاں کے باضابطہ شہری بن گئے اور اہل پاکستان بھی خوش ہوگئے کہ جامع سیرت کی میزبانی کا شرف انہیں بھی حاصل ہوگیا۔ یہاں انجمن ترقی اردو پاکستان نے ۱۹۵۰ء میں ان کے اعزاز میں جلسہ کیا، جس میں سید صاحب نے ایک مقالہ ہندوستان کے نومسلم حکمران کے عنوان سے لکھا۔ قیام گاہ کے قریب زیر تعمیر مسجد جو جامع سلیمانی کے نام سے آج بھی موجود ہے، قرآن پاک کا درس شروع کیا۔[۹] جنوری ۱۹۵۱ء میں ڈھاکہ، چاٹگام اور سلہٹ کا دورہ کیا، سلہٹ جمیعۃ العلماء کی اسی سال صدارت بھی کی۔ فروری ۱۹۵۳ء میں سید صاحب نے کراچی میں دنیائے اسلام کے تمام علماء کی کانفرنس بلائی، اسی سال مجمع الفواد الاول کے رکن بنائے گئے، کراچی یونیورسٹی کے رکن اور جمیعۃ الاسلام کے صدر مقرر ہوئے، جس نے پاکستان کے دستور کو اسلامی بنانے میں بڑی کوششیں کی تھیں۔

۱۹۵۳ء میں پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس کی صدارت کے لیے ڈھاکہ تشریف لے گئے اجلاس سے فارغ ہوکر بری راستے سے سفر کیا جس کی وجہ سے سید صاحب کے زخم ہرے ہوگئے، بالآخر ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو وفات پاگئے، اور ۲۳ نومبر کو تدفین عمل میں آئی۔[۱۰] سید صاحب کی پوری زندگی تصنیف و تالیف میں گزری تصانیف کے ذریعے سے دین اسلام کی بہت خدمت کی۔

تصانیف:

عالم اسلام کو جن علماء پر ناز ہے ان میں سید سلیمان ندوی بھی شامل ہیں۔ ان کی علمی و ادبی عظمت کا اندازہ اسبات سے لگایا جاسکتا ہے جب ان کے استاد مولانا شبلی نے سیرۃ النبی ﷺ کی دو جلدیں لکھ کر انتقال کر گئے تو باقی چار جلدیں سید سلیمان ندوی نے مکمل کیں، اپنے شفیق استاد کی وصیت پر ہی دارالمصنفین، اعظم گڑھ قائم کیا اور ایک ماہنامہ معارف جاری کیا۔ سید سلیمان ندوی کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔

"سیرت النبیؐ"، آر۔زیڈ پیکجز، لاہور، ۱۴۰۸ھ ۔ "تاریخ ارض القرآن"، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، لکھنؤ، ۱۹۱۵ء۔ "حیات امام مالک"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۱۷ء۔ "سیرت عائشہؓ"، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء۔ "خیام"، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۳۳ء۔ "حیات شبلی"، دارالمصنفین، ۱۹۴۳ء۔ "رحمت

عالم"، دارالسلام، ریاض، ۲۰۰۷ء۔ "نقوش سلیمانی"، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء۔ "اہل السنۃ و الجماعۃ"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۷ء۔ "یاد رفتگاں"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۵۴ء۔ "عرب و ہند کے تعلقات"، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۴ء۔ "علامہ سید سلیمان ندوی کے چند نادر خطبات و رسائل کا مجموعہ"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۱ء۔ "خطبات مدراس"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۲۶ء۔ "برید فرنگ"، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۷ء۔ "عربوں کی جہاز رانی"، معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۳۵ء

"Muhammad is the Ideal Prophet", Islamic Book Foundation, Lucknow, 1977

سید سلیمان ندوی کی سوانح نگاری پر لکھی ہوئی کتابیں "حیات امام مالک" اور سیرت عائشہ" کا جائزہ:

سید سلیمان ندوی نے سیرت و سوانح کے موضوع پر جو کتابیں لکھی، ان کی حیثیت خاتم سلیمانی میں ہشت پہلو نگینے کی ہے۔ جس میں کئی کئی فن بیک وقت اپنا رنگ دکھاتے نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک فن لسانیات بھی ہے جس کا ذوق سید صاحب کی ایک کتاب میں کہیں پورے طور پر اور کہیں جزوی طور پر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ وہ لفظوں کی سوانح نگاری یا الفاظ کے جغرافیائی حالات بیان کرنے میں بھی اپنی شان جداگانہ رکھتے ہیں۔[11]

حیات امام مالک:

سید سلیمان ندوی نے یہ کتاب بائیس برس کی عمر میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے ترجمان "الندوۃ" میں ۱۹۰۷ء میں "حیات امام مالک" کے عنوان سے کئی قسطوں میں ایک مضمون لکھا تھا، اس میں اضافہ کر کے اگست ۱۹۱۷ء میں کتاب ہی کی صورت میں شائع کر دیا گیا، جس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

سبب تالیف:

مولانا سید سلیمان ندوی حیات امام مالک کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہے کہ تمام دنیائے اسلام جن قوانین فقہی پر کاربند ہے، وہ چار اماموں کی طرف منسوب ہیں، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبلکے حالات تو اردو میں منتقل ہو چکے تھے۔ لیکن امام مالک جو فقیہ مدینۃ الرسول، امام دار الہجرہ اور بانی اول فن حدیث تھے اور مسلک حنفی کے علاوہ فقہ کے بقیہ تین مذاہب، جن کے سلسلہ کی شاخیں ہیں، اردو میں اب تک ان کے متعلق ایک حرف بھی موجود نہیں۔ سید صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کو علم حدیث کیا بتدائے طلب سے امام موصوف اور ان کی موطا سے بدرجہ غایت عقیدت رہی ہے، اسی کا اثر تھا جس نے انہیں اس فرض کے انجام پر آمادہ کیا، چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں، میں نے اس کا سلسلہ شروع کیا اور جنوری ۱۹۰۷ء کے الندوہ میں اس پر ایک مضمون لکھا، فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی کتاب کی تکمیل کا خیال ہوا۔ ابھی تصنیفات کا حصہ ختم ہوا تھا کہ حضرت

الاستاذ نے وفات پائی اور دم نزع وصیت فرمائی کہ تمام کام چھوڑ کر سب سے پہلے سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل کی جائے۔ اس بناء پر جہاں تک حیات امام مالک کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ قلم کا مسافر وہیں پہنچ کر رک گیا اور اب آئندہ اس کی تکمیل کی فرصت ہاتھ آنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے جو حصہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اس کو وقف ناظرین کیا جاتا ہے۔[۱۲]

ماخذ کتاب:

اس کتاب کے لکھنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:

(۱) الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (۲) تزیین الممالک، امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ (۳) تاریخ ابن خلکان، ابن خلکان متوفی ۱۲۸۲ء (۴) اسعاف المبطابر جال المؤطا، امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ (۵) تذکرۃ الحفاظ، امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (۶) کتاب الانساب، سمعانی متوفی ۵۳۴ھ (۷) طبقات ابن سعد، ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ (۸) جامع بیان العلم، ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ (۹) کتاب العلل، ترمذی متوفی ۲۷۹ھ (۱۰) بستان المحدثین، شاہ عبد العزیز متوفی ۱۲۳۹ھ (۱۱) تقریب التہذیب، ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (۱۲) مسند امام ابو حنیفہ، ابو نعیم الاسبہانی متوفی ۴۳۰ھ (۱۳) سنن دار قطنی، امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ (۱۴) کتاب الذبائح، بدرالدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ (۱۵) مقدمہ ابن صلاح، عثمان بن مفتی صلاح الدین الشہرزوری متوفی ۶۴۳ھ (۱۶) مقدمہ اعلام الموقعین، ابن حزم اندلسی متوفی ۹۹۴ھ (۱۷) کتاب الام، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ (۱۸) کتاب العبر، ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ (۱۹) کتاب الفہرست، ابن ندیم متوفی ۴۳۸ھ (۲۰) مرات الاوراق، ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (۲۱) طبقات سبکی، امام سبکی متوفی ۷۷۱ھ (۲۲) کشف الظنون، علامہ ملا کاتب چلپی متوفی ۱۰۶۷ء (۲۳) تہذیب الکمال، حافظ مزی متوفی ۷۴۳ھ۔

خصوصیات:

حیات امام مالک ایک جلد پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کتاب کی ضخامت تقریباً ۱۰۶ صفحے ہیں مگر اس کے لکھنے میں ۲۸ کتابوں کو ماخذ بنایا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کو اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی سے تلاش، جستجو، محنت اور ریاضت کرنے کی عادت تھی۔

سید صاحب نے یہ کتاب طالب علمی کے زمانہ میں بائیس سال کی عمر میں لکھی لیکن اس کا جو انداز بیان ہے اس سے یہ طالب علمانہ کوشش نہیں معلوم ہوتی اور اگر یہ نہ بتایا جائے کہ مصنف نے کس سن میں لکھی تو اس کی تحریر کی متانت اور اسلوب کے وقار سے بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ کسی سن رسیدہ اور تجربہ کار مصنف کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس سے پہلے اردو میں امام مالک کی حیات اور ان کی خدمات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، مگر سید صاحب نے یہ کام خوش اسلوبی کے ساتھ کیا۔

مضامین کتاب کا مختصر جائزہ:

خاندان امام مالک:

سوانح نگاری کے فن کے لحاظ سے پہلے امام مالک کا نام اور نسب نامہ لکھا گیا ہے، پھر ان کے خاندان کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پر دادا ابو عامر عہد نبوی ﷺ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ خاندان یمن سے آکر مدینۃ النبی ﷺ میں آباد ہوا۔ امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر کے تین بیٹے تھے، انس، ربیع اور ابو سہیل نافع۔ امام مالک کے والد ماجد انس تھے۔ امام مالک بن انس ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ امام صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو مدینۃ النبی کو قرآن اور سنت کا بہت بڑا خزینہ دار پایا، سید صاحب نے اس وقت کے فقہا صحابہ، تلامذہ صحابہ اور تابعین کے نام لکھے ہیں جن کی وجہ سے مدینہ علم کا باغ بنا تھا، سید صاحب لکھتے ہیں:

"امام صاحب نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا، اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا، اس لیے امام دار الہجرۃ ان کا لقب ہوا۔"[۱۳]

اساتذہ امام مالک:

سید صاحب نے امام مالک کے شیوخ کے اسمائے گرامی تلاش کر کے درج کر دیے ہیں۔ نافع، محمد بن شہاب الزہری، جعفر صادق بن محمد بن منکدر، محمد بن یحییٰ، یحییٰ الانصاری، ابو حازم اور یحییٰ بن سعید، ان کے حالات اور کارناموں کا بھی مختصر طریقہ سے احاطہ کیا گیا ہے، جن سے مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے مکہ بصرہ خراسان اور جزیرہ کے شیوخ سے بھی احادیث کی روایت کی جن کی تعداد سید صاحب نے چورانوے (۹۴) بتائی ہے اور ان کے نام بترتیب یکجا لکھ دیے ہیں اور جو شیوخ غیر مدنی تھے، ان کی بھی تصریح کر دی ہے، اس سے سید صاحب کی علمی تلاش و جستجو کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام مالک نے فقہ کی تعلیم ربیعہ رائے سے حاصل کی جو مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ وہ ان کے حلقہ درس میں بیٹھے جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و فقہ میں ممتاز تھے، کبھی کسی غیر فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھے، مدینہ میں بیسوں اشخاص ایسے تھے جن سے لوگ حدیث سیکھتے تھے لیکن انہوں نے کبھی ان سے اخذ علم نہیں کیا، کیونکہ ان کے متعلق رائے یہ تھی کہ ان میں بعض نادانستہ جھوٹ بولتے، بعض مغز سخن سے ناواقف تھے، اور بعض پورے جاہل تھے۔ اسی طرح متقی اور پرہیز گاروں سے بھی استفادہ نہیں کیا، ان کے متعلق رائے یہ تھی کہ ان میں علم و فہم کی پختگی نہ تھی۔ جب وہ کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ حدیث کرنا چاہتے تو پہلے ان کا تجربہ اور نقد کر لیتے۔

امام مالک کی مجلس درس:

کم سنی میں علم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس دینا شروع کیا۔ بہت سے بڑے بڑے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت نافع کی وفات کے بعد امام مالک ان کے جانشین ہوئے۔ امام صاحب کی مجلس درس کی جو تصویر سید صاحب نے کھینچی ہے اس کا مطالعہ اس حیثیت سے کیا جائے کہ اس زمانہ میں ایسی درسگاہ کی کیا نوعیت تھی اور اس کے کیا آداب ہوتے تھے۔ سید صاحب امام مالک کی مجلس درس کی تہذیب کی مرقع آرائی اس طرح کرتے ہیں:

"امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی، وسط مجلس میں شہ نشین تھی جس پر امام صاحب صرف املائے حدیث کے موقع پر رونق افراز ہوتے تھے۔ جا بجا شرکائے مجلس کے لیے پنکھے رکھے رہتے تھے۔ جب حدیث کا درس ہوتا مجمر میں عود و لوبان جلایا جاتا، جب حدیث نبوی کے املا کا وقت آتا پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے، اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے۔"[۱۴]

خلیفہ وقت ہارون رشید اپنی شان و شوکت کے باوجود ان کی مجلس درس میں کس قدر اپنے کو ہیچ سمجھتے، اس کی کہانی بھی سید صاحب نے یوں قلمبند کیا ہے:

"ہارون رشید جب مدینہ آیا تو امام صاحب سے موطا کی سماعت کی خواہش ظاہر کی، امام صاحب نے فرمایا کہ "کل کا دن اس کے لیے ہے" ہارون رشید منتظر رہا کہ امام صاحب دربار میں خود آئیں گے، کل کا دن مجلس درس میں تشریف فرما رہے، ہارون رشید نے پوچھا تو فرمایا کہ العلم یزار ولا یزور"۔ اور آخر ہارون رشید کو بایں ہمہ جاہ و جلال خود امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہونا پڑا۔"[۱۵]

سید صاحب نے امام مالک کے آداب درس کا نقشہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"حدیث کا املا مسجد نبوی یا مجلس درس سے باہر نہیں کرتے تھے، مہدی اور ہارون دونوں نے خیمہ خلافت میں املا کی خواہش کی، لیکن امام نے انکار کر دیا، جلدی میں یا کسی کام کی مصروفیت میں یا راہ چلتے ہوئے حدیث نہیں بیان فرماتے تھے کہ خلاف ادب ہے، اور اصل یہ ہے کہ سماع و فہم حدیث کے لیے اطمینان اور حضور قلب چاہئے جو ان موقعوں پر عموماً مفقود ہوتے ہیں، اس لیے احتراز فرماتے تھے، مجلس میں زور زور سے بولنا بھی وہاں خلاف ادب تھا، ایک بار خلیفہ منصور امام سے مسجد میں مناظرہ کر رہا تھا آواز نہایت بلند ہو رہی تھی، امام نے ڈانٹ کر یہ آیت پڑھی۔"[۱۶]

لاتَرفَعُوا اَصْوَاتکم فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی۔ پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔[۱۷]

فقہ وفتویٰ:

سید صاحب نے امام مالک کا جائزہ ایک فقیہ کی حیثیت سے بھی لیا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں فقیہ اور محدث کی تعریف اپنی اس کمسنی کے زمانہ میں جس موثر اور طاقتور انداز میں کی تھی، اس پر بڑے سے بڑے علماء، فقہا اور محدثین اب بھی غور کر کے استفادہ کر سکتے ہیں، لکھتے ہیں:

"ایک مفتی اور فقیہ کا فرض ایک محدث سے زیادہ ہے، محدث صرف ایک سرمایہ دار ہے، فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عالم کاروبار میں آتا ہے، کھرے کھوٹے کی تمیز، احکام کی تصریح، عموم کی تخصیص، خصوص کی تعمیم، مطلق کی تقیید، مقید کا اطلاق، ناسخ و منسوخ کی تفریق اوامر و سنن کی ترتیب، احکام غیر منصوصہ کا قیاس، احکام کے علل و مصالح کی تلاش، ضروریات انسانی کے مطابق احکام شرعیہ کا اعلان رعایا و حکومت کے لیے قوانین کی تدوین، یہ ایک فقیہ و مفتی کے عام فرائض ہیں جو ایک محدث محض کے رتبہ سے بلند تر ہیں۔"[۱۸]

سید صاحب نے اس سلسلہ میں عہد رسالت سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور تک فقہ کی تدوین کی جو کوشش ہوئی اس کی مختصر لیکن جامع تاریخ بھی لکھ دی ہے جس سے مفید معلومات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سید صاحب نے امام صاحب کے فتویٰ دینے کے اصول بھی قلم بند کیے ہیں۔ کہ ان سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ کی اطلاع نہ ہوتی تو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ فرمادیتے کہ لا ادری (میں نہیں جانتا)۔ اسی طرح دور کے شہروں کے مستفتی کو جواب دینے سے احتراز کرتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قرب وجوار میں مستفتی کو اپنی غلطی کی اطلاع دے سکتے تھے لیکن ممالک بعیدہ میں تغلیط کی اطلاع مشکل تھی۔ مسائل وفتویٰ کا جواب ہمیشہ نہایت دقت نظر اور کاوش فکر سے دیتے، اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہو جاتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔

وفات:

سید صاحب نے امام صاحب کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ امام صاحب کی عمر جب ۸۱ برس کو پہنچ چکی تھی، نہایت ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے۔ لیکن اس جعف و ناتوانی کے عالم میں درس وافتاء کی خدمت جاری تھی۔ ۱۷۹ھ میں تین ہفتے بیماری میں گزرے مگر تخفیف نہ ہوئی، بالآخر ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو انتقال فرمایا، ۸۶ برس کی عمر پائی۔ ۱۱۷ھ میں مسند درس پر قدم رکھا تھا، ۶۲ برس تک علم ودین کی خدمت میں مصروف رہے۔

اخلاق وعادات:

امام صاحب بہت اچھے اخلاق کے مالک تھے سید صاحب نے امام صاحب کے اخلاق و عادات کے جتنے واقعات لکھے ہیں اس کے متعلق سید صباح الدین عبد الرحمن لکھتے ہیں:

"وہ اس قدر ایمان افروز ہیں اور یہ اس لائق ہیں کہ نصاب کی کتابوں میں درج کر کے ان کو درس میں پڑھایا جائے تاکہ ایک مسلمان کی سیرت کی تشکیل میں یہ معاون ہوں۔"[۱۹]

سید صاحب لکھتے ہے کہ امام مالک کو درس و افتاء سے جو فرصت ملتی وہ زیادہ تر عبادت اور تلاوت میں صرف ہوتی۔ محمد ﷺ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب نام مبارک زبان پر آتا، چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ حب رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔ اس کے علاوہ امام صاحب فیاض، مہمان نواز، استقلال طبع، حلم و عفو، حق گوئی و آزادی، خودداری، انصاف پسندی اور اہل علم کی عزت جیسے صفات سے متصف تھے۔

تصنیفات:

آخر میں امام صاحب کی تصنیفات (۱) موطا (۲) رسالۃ مالک الی الرشید (۳) احکام القرآن (۴) المدونۃ الکبریٰ (۵) رسالۃ مالک الی ابن مطرف (۶) رسالۃ مالک الی ابن وہب (۷) کتاب الاقضیہ (۸) کتاب المناسک (۹) تفسیر غریب القرآن (۱۰) کتاب المجالسات عن مالک (۱۱) تفسیر القرآن (۱۲) کتاب المسائل وغیرہ کا تعارف کیا ہے۔ اس کے بعد امام صاحب کی اصلی تصنیف موطا، جو قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے، پر بحث ہے۔

سیرت عائشہؓ:

سیرت عائشہؓ مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ سید صاحب کو سیرت عائشہؓ کا اول اول خیال اس وقت آیا جب وہ الندوۃ کے سب ایڈیٹر تھے اور یہ ان کے تعلیمی زمانہ کا آخری سال تھا۔ اپریل ۱۹۰۶ء میں اپنے خیالات استاد مرحوم کی خدمت میں عرض کیے، انہوں نے ہمت بندھائی اور کتابوں کے نام بتائے۔[۲۰] چنانچہ دو برس کے بعد ایک ٹکڑا ربیع الاول ۱۳۲۶ھ مطابق اپریل ۱۹۰۸ء کے الندوہ میں شائع بھی کیا گیا۔ پھر سوء اتفاق سے یہ خیال کچھ سرد سا پڑ گیا۔ لیکن احباب کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔

سید صاحب کی مولوی عزیز مرزا مرحوم سے جب ملاقات ہوتی، سیرت عائشہؓ کا تقاضا کرتے اور وہ مسکرا کر خاموش ہو رہتے۔ حضرت استاد بھی بار بار اس کی تکمیل کی ہدایت فرماتے رہے۔[۲۱] اس کے علاوہ سید صاحب کے استاد سید عبد الحکیم صاحب کا کوئی خط "سیرت عائشہؓ" کے تقاضے سے خالی نہیں آتا۔ آخر اس کتاب کی اشاعت ۱۹۲۰ء میں اس وقت ہوئی جب خاکسار وفد خلافت کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھا۔[۲۲]

سیرت عائشہؓ کی اہمیت:

اس کتاب میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے واقعات زندگی، ان کے اخلاق وعادات، کردار کی پاکیزگی اور ان کی علمیو عملی حیثیت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگرچہ یہ حضرت عائشہؓ کی سوانح پر لکھی گئی ہے لیکن ایک حیثیت سے یہ سیرت نبوی ﷺ کا ضمیمہ بھی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے زندگی کا بڑا حصہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ گزارا ہے۔ انہوں نے سرور کونین ﷺ سے عمدہ زندگی گزارنے کے طریقے حاصل کئے۔ وہ مسلمان عورت کے لئے زندگی کا مکمل نمونہ ہے۔ ایک مسلمان عورت کے لیے سیرت عائشہؓ میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقع اور حالت کے لئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں۔ پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گراں مایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے۔ اس لئے سیرت عائشہؓ ہر عورت کے لیے ایک آئینہ خانہ ہے، جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے؟

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لیے قابل قبول ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ "دنیا کے بزرگ ترین انسان" کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے، جو "مراۃ کاملہ" (کامل عورت) کا بہترین مرقع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔[۲۳]

اس سوانح عمری سے یہ پوری طرح نمایاں ہو جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کتنے حقوق عطا کئے ہیں، اور ان کا درجہ کتنا بلند کیا ہے، اور اس پہلو سے حضرت عائشہؓ نہ صرف اپنے زمانہ کے اعتبار سے بلکہ موجودہ دور کے نسوانی ترقی کے صحیح اسلامی تصور کے لحاظ سے بھی کتنے بلند درجہ پر فائز تھیں۔ اور آج بھی ایک مسلمان عورت ان کی تقلید کے ذریعہ صحیح اور صالح ترقی کے بلند سے بلند مدارج تک پہنچ سکتی ہے۔[۲۴]

ام المومنین حضرت عائشہؓ خواتین اسلام میں سب سے زیادہ مشہور خاتون ہیں اور اگر مشہور نہ بھی ہوتی تب بھی وہ اسلام اور مسلمین پر ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں برکت کا باعث تھیں خاص طور پر عہد نبوی ﷺ میں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کے سامنے پلی بڑھیں اور پھر عالم اسلام کی ایک مثالی خاتون بن گئیں۔[۲۵]

سید صاحب دیباچہ میں سیرت عائشہؓ کی اہمیت کے بارے میں رقم طراز ہے:

"اردو زبان کی نشاۃ جدیدہ نے ہماری زبان میں جن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا ہے، ان سے رجال اسلام کے کارنامے ایک حد تک منظر عام پر آگئے ہیں لیکن مخدرات اسلام کے کارہائے نمایاں اب تک پردہ خفا میں

ہیں۔ سیرت عائشہؓ پہلی کوشش ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس صنف کے کارناموں کو بے نقاب کیا گیا ہے، اس کے بعد حالات نے اجازت دی تو نساء الاسلام مرتب ہوگی۔"[۲۶]

ماخذ:

سوانح عمریوں کے لیے عموماً تاریخ کی کتابیں کار آمد ہوتی ہیں۔ لیکن اس سوانح عمری کے قلم بند کرنے میں تاریخی کتابوں کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ سید صاحب نے حدیث نبوی کو تاریخ بنادیا ہے اور انہی کے سہارے یہ سوانح عمری ایسی مرتب ہوگئی ہے کہ جو بے شمار تاریخی کتابوں کے ذریعہ سے نہیں لکھی جاسکتی ہے۔ سید صاحب نے جوامع، مسانید اور سنن سے عموماً اور کہیں کہیں اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، تہذیب ابن حجر، فتح الباری، قسطلانی، نووی اور دوسری شروح حدیث سے بھی مدد لی گئی ہے۔ سید صاحب کہتے ہیں کہ "تاریخ کی کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے، جنگ جمل کے متعلق بے شبہ مجبوری تھی، کیوں کہ اس کا تعلق احادیث نبوی ﷺ سے نہیں اس لیے اس باب میں زیادہ تر تاریخ طبری پر اعتماد کیا ہے۔"[۲۷] حدیث کی کتابوں میں زیادہ تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور امسند امام احمد بن حنبل کو اپنے مطالعہ میں رکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ان کتابوں کا ایک ایک حرف پڑھا، مسند احمد کی چھٹی جلد میں حضرت عائشہؓ کے مرویات میں ان کے حالات کثرت سے ملے، اس کتاب کے ماخذوں میں سب سے نادر کتاب حاکم کی مستدرک اور سیوطی کی "عین الاصابہ فی استدراک عائشہؓ علی الصحابہ" ہے۔ عین الاصابہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں، جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنے معاصرین کی غلطیاں یا غلط فہمیاں ظاہر کی ہیں۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف، موطا امام مالک، مسند عائشہؓ، طبقات النساء ابن سعد اور فتوح البلدان سے مدد لی گئی ہے۔

سیرت عائشہؓ میں فن سوانح نگاری:

یہ کتاب فن سوانح نگاری پر پوری اترتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ولادت، بچپن، شادی، ہجرت، رخصتی، تعلیم، تربیت، خانہ داری، گھر کا نقشہ، فقر و فاقہ، باورچی خانہ، رسول اللہ ﷺ سے ان کی غیر معمولی محبت، پیار کا ناز، خدمت گزاری، سوکنوں کے ساتھ برتاؤ، سوتیلی اولاد سے محبت بھرے تعلقات، واقعہ افک اور بیوگی کی اتنی جزوی تفصیلات اس میں آگئی ہیں کہ شاید اس سے زیادہ قلم بند کرنا کسی اور کے لئے ممکن نہیں۔ پھر روزمرہ زندگی کے واقعات کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی سیرت میں ان کی قناعت پسندی، ہم جنسوں کی امداد، خودستائی سے پرہیز،

خودداری، انصاف پسندی، دلیری، فیاضی، خشیت الٰہی، رقیق القلبی، عبادت الٰہی اور غلاموں کی شفقت کی جو مرقع آرائی کی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی زندگی میں واقعہ افک اور جنگ جمل دو عجیب و غریب واقعات گزرے ہیں، عیب جو اور نکتہ چیں اہل قلم کو ان دونوں واقعات کی تفصیلات لکھنے میں بہت کچھ حاشیہ آرائی کرنے کا موقع ہے، مگر سید صاحب نے ان کو ایسے موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر ناظرین نہیں رہ سکتے۔

واقعہ افک:

یہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عائشہؓ بنی مصطلق کی معرکہ میں پیچھے چھوٹ گئیں، صفوانؓ معطل ایک صحابی قافلہ کے پیچھے پیچھے گری پڑی چیزوں کا انتظام کرتے ہوئے آرہے تھے، انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو انا للہ پڑھا، پھر اپنے اونٹ پر بٹھایا، صفوان کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور وہ مہمل پر سوار تھیں، اس طرح وہ قافلہ سے آملیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوؤں میں سیتا پر اور بنی اسرائیل میں حضرت مریم پر جو کچھ گزری، اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا، یعنی منافقوں نے حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی پر الزام رکھ دیا، عبداللہ بن ابی، حسان بن ثابت شاعر اور مسطح بن اثاثہ نے اس سازش میں جو حصہ لیا اس کا ذکر کرنے کے بعد سید صاحب رقم طراز ہے کہ:

"دنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں۔ یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے، غلط سے غلط بات بھی جب کسی آبرودان اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شریر کہہ بیٹھتا ہے تو یا تو شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ اب تک ناصرہ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھیں، اتفاقاً ایک شب مسطح کی ماں نے اسے بتایا۔"[۲۸]

اور جب ان کو معلوم ہوا تو سید صاحب نے وہ حالات بھی بیان کیے ہیں کہ کس طرح غش کھا کر گر پڑیں، والدین نے سنبھالا، شدید بیمار ہو گئیں، ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دیں، صفوانؓ تلوار لے کر حسان کی تلاش میں نکلے، حضرت علیؓ نے مسجد میں تقریر کر کے منافقوں کی خباثت کو مطعون کیا، معاملہ یہاں تک بڑھا کہ اوس اور خزرج کے دو قبیلوں میں لڑنے کے لیے تلواریں نکل پڑیں، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو چپ کیا، اور حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا حضرت عائشہؓ نے کہا فصبر جمیل، اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہوئی، جن سے حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کا یقین دلایا گیا تھا، اس کے بعد قانون ازالۂ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو اسی اسی کوڑے کی سزا دی گئی۔

جنگ جمل:

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ جنگ جمل ہے، جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان لڑی گئی۔ سید صاحب نے اس جنگ کی تفصیل تو تاریخ طبری ہی سے لی ہے لیکن اس کو اس طرح قلمبند کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اتنی جزوی تفصیلات بیان کر دی ہیں کہ سارے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں، سید صاحب کی خوبی یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے وقار کو قائم رکھا ہے اور اپنے ناظرین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ یہ جنگ بالکل اتفاقی تھی اور متعمدین جرم کے سوا دونوں فریق بے قصور تھے، اس جنگ کے بعد حضرت عائشہؓ اپنی ندامت کا اظہار جس طرح کرتی رہی اور اس کو جس طرح سید صاحب نے قلم بند کیا ہے، اس سے ان کی عزت اور عظمت کے ساتھ ان کا وزن اور وقار اور بڑھ جاتا ہے، سید صاحب نے اس جنگ میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کو ایک اجتہادی غلطی قرار دیا ہے، جس کے متعلق وہ بعد میں خود سوچتی رہیں کہ انہوں نے اس کے ذریعہ اصلاح کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ کہاں تک مناسب تھا، اس کے لیے ان کو عمر بھر افسوس رہا۔

وفات:

امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر سرسٹھ (۶۷) برس کی تھی، ۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں۔ اور رمضان کی سترہ تاریخ مطابق ۱۳ر جون ۶۷۸ء تھی کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔[۲۹]

حضرت عائشہؓ کا فضل وکمال:

سید صاحب نے جس محنت اور دیدہ وردی سے حضرت عائشہؓ کے دینی اور علمی فضل وکمال کی تفصیلات لکھی ہے اس کے مطالعہ سے مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف حضرت عائشہؓ کا رتبہ بلند وبالا ہو جاتا ہے بلکہ کتاب کی افادیت اور دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ کتاب وسنت اور فقہ واحکام میں ان کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ حضرت عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عبد اللہ ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنھم کے ساتھ بے تکلف ان کا نام لیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فہم وذکاوت، استنباطات، علم اسرار دین، فصیح البیانی، اشاعت تعلیم، مستفیدین اور جنس نسوانی پر احسانات وغیرہ کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہیں۔

اسلوب بیان:

یہ کتاب زبان اور اسلوب بیان کے لحاظ سے الگ حیثیت رکھتی ہے۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے بعد سب سے زیادہ محترم اور قابل تعظیم حضرت عائشہؓ ہی کی ذات مبارک تھی۔ اس لئے اس کے بعد ان کا انداز بیان اور اسلوب کیسا ہونا چاہیے، باادب، باوقار اور نا تمکنت، انہی خصوصیات کے ساتھ ہی پوری کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں ادب ان کے قلم کو چاہتا ہے، وقار ان کی تحریر سے ہم رکاب رہتا ہے، وزن ان کے انداز بیان سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا ہے، تمکنت پوری کتاب کی فضا پر چھائی رہتی ہے۔[۳۰]

سید سلیمان ندوی نے اس کتاب میں مختلف تحریروں کو مختلف حیثیتوں سے بیان کئے ہے۔ مثلاً جب وہ واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کے غم، دکھ اور بے چینی کو بیان کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دردناکی کی پوری تصویر سامنے آگئی ہے۔ یا جب وہ جنگ جمل کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی ماہر جنگ آپ کے سامنے اس کی تفصیل کر رہا ہے، یا جب حضرت عائشہؓ درس و تدریس میں مشغول دکھائی دیتی ہیں تو ان کی تحریر میں مدرسانہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ سید صاحب نے اس کتاب میں حضرت عائشہؓ کی زندگی کے مختلف حالات وواقعات اور کارناموں کو مرتب انداز میں اردو زبان میں یکجا کیا، جس سے ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ماحصل:

فن اور اسلوبی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید سلیمان ندوی کے سیرت وسوانح کے موضوع کی کتابوں میں سوانح نگاری کا فن بیک وقت اپنا رنگ دکھاتا نظر آتا ہے۔ ان میں سے ایک فن لسانیات بھی ہے جس کا اظہار سید صاحب کی اپنی کتاب میں کہیں پورے طور پر اور کہیں جزوی طور پر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے "حیات امام مالک" اور "سیرت عائشہؓ" کے ذریعے فن سوانح نگاری کا کمال دکھایا ہے اس کے ساتھ ساتھ کردار نگاری میں بھی اپنے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ غرض سید سلیمان ندوی نے سوانح نگاری کے ان دو کتابوں یعنی "حیات امام مالک" اور "سیرت عائشہؓ" کے ذریعے فن اور اسلوب نگاری میں اپنی قابلیت کی اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ اور لوگوں کے لئے خصوصاً مسلمان عورتوں کے لئے "سیرت عائشہؓ" اچھی زندگی گزارنے کا ایک شوشہ چھوڑا۔

مراجع وحواشی

۱۔ صباح الدین عبدالرحمن، سید، سوانح حیات، مشمولہ معارف سلیمان نمبر، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۵ء، ص ا